

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(متفرقات)

المحاسبة

بالقرآن

(سورة الفاتحه)

فرقان الدين احمد

Ketabton.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاذْرُقْنَا الْبَاطِلَ اَبْطَالًا وَاذْرُقْنَا الْجَنَّةَ جَنَّةً

المحاسبة بالقرآن

(سورة الفاتحة)

عمر بن خطاب رضي الله عنه کا قول ہے کہ ”اپنے نفسوں کا محاسبہ خود کرو قبل اس کے تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور اس کے وزن سے قبل خود ہی وزن کر لو۔“

اور اس محاسبہ؛ یعنی اپنے نفس کے مواخذہ کے لیے قرآن حکیم سے بہتر کون سا میز ان ہو سکتا ہے؛ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَيْدٌ (قرآن تیرے لئے حجت ہو گا یا تیرے خلاف ہو گا)۔“ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ نہ صرف کل انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو وہ میز ان بھی مہیا کرتا ہے جس کی روشنی میں ہر مسلمان اگر چاہے تو مرنے سے پہلے ہی اپنے بارے میں ”تَكَلَّمْتُ مَوَازِيئُهُ“ یا ”حَكَمْتُ مَوَازِيئُهُ“ کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

قرآن حکیم اپنی کل وسعت میں دو ہی گروہ انسانی کے افکار و عقائد؛ اقوال اور اعمال کا تفصیلی ذکر کرتا ہے؛

- ”احسن تقویہ“ یعنی وہ خوش بخت جو فکری؛ قولی اور عملی طور پر انبیاء کے مثل ہیں۔
- اور ”اسفل السافلین“ یعنی وہ بد بخت جو فکری؛ قولی اور عملی طور پر شیطان کے مثل ہیں۔

باقی تمام انسانیت ان ہی دو انتہاؤں کے بیچ میں ہے اور اس دنیا میں ان کی انہیں دونوں انتہاؤں میں سے کسی ایک کے ساتھ مشابہت ہی آخرت میں ان کے مقام کا فیصلہ کرے گی۔ اس دنیا میں اس مشابہت کے ان گنت درجات اور مجموعات ممکن ہیں؛ یعنی کہ یہ نہ صرف فکر میں ہم آہنگی ہو سکتی ہے؛ بلکہ فکر اور قول میں؛ یا فکر، قول اور عمل تینوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور آخرت میں ثواب و عذاب کا فیصلہ بھی اس مشابہت کی مقدار اور اس کے کمال پر منحصر ہے۔

ان میں سے اہم ترین فکری مشابہت ہے کیونکہ اسی مشابہت پر انسان کے ابدی خوش بخت یا بد بخت ہونے کا دار و مدار ہے۔ ایک ”احسن تقویہ“ سے فکری مشابہت رکھنے والے خوش بخت مسلمان کا اس دنیا میں ”اسفل السافلین“ سے قولی؛ عملی؛ یا قولی اور عملی مشابہت؛ آخرت میں اس کے ”اسفل السافلین“ کے

ساتھ عذاب کی شدت اور مدت میں مشابہت کا باعث تو ضرور ہو گا؛ مگر فرق صرف دوام کا ہو گا یعنی وہ اس مشابہت کی سزا بھگتنے کے بعد اپنی فکر کے باعث خوش بختوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

مثلاً قرآن اپنے ہی متعلق رسول اللہ ﷺ کے ایک شکوہ کو بیان کرتا ہے کہ

✓ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا [سورة الفرقان: ۲۰] اور

رسول کہے گا میرے رب بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

اب یہ نظر اندازی فکری بھی ہو سکتی ہے؛ قولی بھی؛ عملی بھی یا اس کا اطلاق انہیں تین پر مشتمل کسی قسم کے مجموع پر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ فکری نظر اندازی قرآن کے کلی انکار پر مبنی ہے تو یہ صریحاً کفر ہے اور عذاب کے دوام کی متقاضی ہے؛ بصورت دیگر اگر یہ فکری نظر اندازی جزوی قرآن کی ہے؛ تو عذاب دائمی بھی ہو سکتا ہے اور وقتی بھی؛ جبکہ قولی نظر اندازی کا اطلاق اس کی تلاوت پر ہے جو وقتی عذاب کا متقاضی ہے اور اسی طرح عملی نظر اندازی کا اطلاق اس کے علم کے حصول؛ اس پر عمل اور تبلیغ کی کوتاہی پر مبنی ہے جو بھی وقتی عذاب کا متقاضی ہے۔ یہ تینوں نظر اندازیاں "اسفل السافلین" کے قبیل سے تعلق رکھنے کے باعث اخروی عذاب کی متقاضی ہیں مگر اس اخروی عذاب کی شدت اور مدت کا دار و مدار اس دنیا میں "اسفل السافلین" کے ساتھ اس نظر اندازی کے امر میں فکری؛ قولی یا عملی مشابہت کی مقدار اور شدت یا کمال پر ہے۔

مندرجہ بالا حکمت عملی کا اطلاق اگر ہم قرآن کی ہر آیت کے مطالعہ پر کریں تو با آسانی "احسن تقویہ" والے گروہ انسانی سے اپنی فکری؛ قولی یا عملی دوری اور "اسفل السافلین" والے گروہ انسانی سے اپنی فکری؛ قولی یا عملی قربت نہ صرف ہم پر واضح ہو جائے گی بلکہ شاید یہ مشق اس فکر آخرت کی بنیاد بھی بن سکے جو اس المحاسبۃ بالقرآن سے عین مطلوب ہے۔ گو اس حکمت عملی کے مخاطب اور محتاج کل امت یکساں ہے (یعنی علماء یا غیر علماء؛ عربی یا عجمی)؛ مگر اس محاسبہ کی صلاحیت اور اس سے استفادہ ہر انسان کی اپنی ذہنی سطح؛ علمی قابلیت؛ نیت کے اخلاص؛ باطنی مثبت اوصاف؛ وسعت معاملات اور جو ابہد ہی کے خوف جیسے عناصر پر منحصر ہے۔ جیسے جیسے ان عناصر میں مثبت ترقی ہوتی رہتی ہے؛ ویسے ہی اس کی محاسبہ اور اس سے استفادہ کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے؛ جس کا منطقی نتیجہ اس کی محاسبہ کے جوہر یعنی فکر آخرت میں روز بروز اضافہ ہے۔

اس مضمون میں شامل "سورۃ الفاتحہ" کی آیات بینات کے بیان کا مقصد بھی صرف اس محاسبہ والی حکمت عملی کو ایک عملی شکل میں مثال کے طور پر پیش کرنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس مضمون کا ہر قاری اس میں مزید بہتری اور اس کے نتیجہ میں مجھ سے کہیں زیادہ اس سے عملی طور پر مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿١﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ

سورۃ الفاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الفاتحہ کی بنیادی حیثیت ایک دعا کی ہے جو میرے خالق و مالک نے اپنی رحمت کے اتمام کے لیے میری طرف وحی فرمائی کیونکہ نہ میں جانتا تھا کہ مانگنے کے آداب کیا ہیں؛ اور ظلم کے باعث نہ یہ ادراک رکھتا تھا کہ میرا اور میرے خالق میں تعلق کس نوعیت کا ہے اور نہ ہی جہالت کے باعث یہ ادراک رکھتا تھا کہ مانگنا کیا ہے۔ ایسی دعا کی قبولیت میں آخر کیا تنگ ہو سکتا ہے جس کے کل مندرجات قبول کرنے والے کی جانب سے ہی ہوں اور پہلے سے ہی مقبول ہوں؛ اس کی مقبولیت میں مانع اور اس دعا کی دنیاوی تاثیر اور اخروی اجر سے محرومی محض میرے اپنے نفس کے ظلم اور اس کی جہالت کے سبب ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿٢﴾ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣﴾

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے ¹۔ بڑا مہربان نہایت رحم

والا ²۔ جزا کے دن کا مالک ³۔

تین بنیادی عقائد جن کا ہر دعا مانگنے سے پہلے میرے ذہن نشین ہونا لازمی ہے۔ اس بنیادی ادب کے بغیر نہ تو میری کسی دعا میں کوئی تاثیر ہے اور نہ ہی کوئی اجر۔ جب تک مسئول کی دینے کی قدرت (رَبِّ الْعَالَمِينَ)؛ اس کے دینے کی وجہ (الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) اور اس کے دینے کے بعد احتساب کے نظریہ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ) پر کامل یقین پیدا نہ ہو؛ تو نہ تو میری دعائیں خشوع و خضوع پیدا ہو سکتی ہیں اور نہ ہی مجھ سے اس کی عطا کی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال ممکن ہے۔

1 پہلا عقیدہ؛ جب کل نعمتیں اور ان میں موجود تمام بھلائیاں؛ حُسن؛ خیر اور برکتیں واحد اللہ سبحان و تعالیٰ کے احسانات کے صدقے سے ہے اور اس کائنات میں تمام اسباب کا اس مسبب الاسباب کے تابع ہونے کے باعث؛ جب کل مخلوق اپنے کل معاملات میں صرف اسی کی محتاج ہے؛ تو یقیناً میری تمام فکری؛ قولی اور عملی تعریفوں اور شکر کا مستحق محض میرے پالنے والے یعنی " رَبِّ الْعَالَمِينَ " کا حق ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
عصر حاضر میں اسباب اور مسبب الاسباب میں سے کون میری فکری؛ قولی اور عملی تعریفوں اور شکر کا حقیقی منظور نظر ہے؟	کیا میں اپنی زندگی میں موجود اپنے رب کے احسانوں اور نعمتوں کا ادراک رکھتا ہوں؟
کیا میں دین میں مطلوب فکری؛ قولی اور عملی شکر کے طریقہ کا ادراک رکھتا ہوں؟	
احسن تقویہ (یعنی شکر گزار مومن) اور اسفل سافلین (یعنی ناشکرے کافر) کے پیمانہ پر	
میں اپنے رب کا کتنا حقیقی فکری؛ قولی اور عملی شکر گزار یا سپاس گزار ہوں؟	
میری فطرت " احسن " یا " اسفل " کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

2 دوسرا عقیدہ؛ اس کی تمام دینی و دنیاوی نعمتیں جو میرے اوپر اس دنیا میں سایہ فگن ہیں (خاتمہ بلا ایمان کی صورت میں) آخرت میں ہوں گئیں، جن کا میں کوئی استحقاق نہ اس دنیا میں رکھتا ہوں اور نہ آخرت میں ان کے مستحق ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہوں؛ مگر یہ محض میرے خالق و مالک کی رحمانیت اور رحیمیت کا مظہر ہیں اور ہوں گئیں؛ اس عقیدہ پر میری ادلی یقین اور میری دنیاوی و اخروی محتاجی اور بے کسی اس بات کی متقاضی ہے کہ میرا وہ بھی ایسی " اَلْكَرْخَمْنِ الرَّكْجِيْهِ " والی شخصیت کے ساتھ ہمیشہ سپاس گزار؛ عاجزانہ؛ احسان مندانه؛ نیاز مندانه اور فرماں بردانہ ہونا چاہیے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں اپنی دینی و دنیاوی نعمتوں کو اپنی کاوشوں اور دنیاوی اسباب کا نتیجہ تو قرار نہیں دیتا ہوں؟	
کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول سے میری احسان مندی کے جذبہ اور فکری؛ قولی اور عملی شکر میں اضافہ کے ساتھ اللہ کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے کہ نہیں؟	

احسن تقویہ (یعنی عاجز و اکسار مومن) اور اسفل سافلین (یعنی سرکش و باغی کافر) کے پیمانہ پر
میں اپنے رب کا کتنا حقیقی عاجز گزار ہوں؟
میری فطرت " احسن " یا " اسفل " کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟

3 تیسرا عقیدہ؛ استحقاق نہ ہونے کے باوجود ان تمام دینی و دنیاوی نعمتوں کی عطا کا مقصد؛ خالق و مالک کی مجھ سے کوئی خصوصی محبت یا نسبت کے سبب نہیں؛ بلکہ محض میرے امتحان کے باعث ہے اور "يُؤْمِرُ الَّذِينَ" پر ان تمام دینی و دنیاوی نعمتوں کی جواب دہی میں کامیابی کے بعد ہی تمام اخروی نعمتوں کا حصول ممکن ہے؛ کیونکہ ان نعمتوں کا عطا کرنے والا "رَبِّ الْعَالَمِينَ" ہی ان تمام نعمتوں کا حساب کتاب لینے والا "مَالِكٌ يَوْمَ الدِّينِ" بھی ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں ان دینی و دنیاوی نعمتوں میں موجود خیر و شر کا ادراک رکھتا ہوں؟	کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول سے مجھے اس دنیا کی آسائشیں اور راحتیں مطلوب ہیں؟
کیا میں ان دینی نعمتوں کا اپنے نفس پر مطلوبہ اثرات کا ادراک رکھتا ہوں؟	کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے استعمال سے مجھے اپنے خالق و مالک کی خالص رضامندی مطلوب ہے کہ نہیں؟
کیا ان مطلوبہ دنیاوی اثرات کی غیر موجودگی مجھے تشویش میں مبتلا کرتی ہے؟	
احسن تقویہ (یعنی آخرت میں جواب دہی کے خوف والا مومن) اور اسفل سافلین (یعنی آخرت پر جری ہونے والا کافر) کے پیمانہ پر	
میں روز محشر ان نعمتوں کی جواب دہی سے کتنا خوفزدہ ہوں؟	
میری فطرت " احسن " یا " اسفل " کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿١٦٠﴾

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ⁴۔

⁴ اس آیت کا تعلق بھی عقیدہ سے ہے اور یہ عقیدہ ایک وعدہ کی صورت میں میرے اور "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کے باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اگر میں مندرجہ بالا تینوں عقائد کا سچے دل سے حامل ہوں تو یہ چوتھا عقیدہ تو انہی عقائد کی عملی شکل کا وعدہ ہے۔ ہر قسم کی طاغوت سے برات اور خالص اللہ سبحان و تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار تو میں کلمہ طیبہ کی شکل میں پہلے ہی کر چکا؛ اب تو اس عقیدہ کو راسخ کرنا لازمی ہے کہ میری کل زندگی میں "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کی عطا کی ہوئی تمام کسی ووہی نعمتوں کا مقصد؛ محض وقتی عبادت نہیں بلکہ کل وقتی عبادت کی شکل میں اس کی خوشنودی کی طلب ہے اور یہ کہ جہاں وہی نعمتیں تو خالصاً اللہ سبحان و تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہیں؛ وہیں کسی نعمتوں کا میسر ہونا بھی اس کی مدد اور کرم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

تو جہاں میری زندگی میں؛ کل نعمتوں کے ذریعے؛ اللہ کی عبادت کے سوا؛ کسی اور مطلوب کا حصول میرے اپنے نفس پر انتہائی ظلم ہے؛ وہیں کسی دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے غیر اللہ سے؛ کسی بھی شکل میں اسباب سے ماورا سمجھتے ہوئے؛ مدد کی امید کرنا یا غیر شرعی طریق کا اختیار کرنا بھی متوازی ظلم ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
<p style="text-align: center;">کیا میں کل وقتی عبادت اور جزوقتی عبادت میں فرق کا ادراک رکھتا ہوں؟</p>	<p style="text-align: center;">کیا میری زندگی کا مطلوب اللہ سبحان و تعالیٰ کی غیر مشروط کل وقتی عبادت ہے یا نفس کے تابع جزوقتی عبادت؟</p>
<p style="text-align: center;">کیا میری زندگی میں غیر اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کا حصول اہمیت رکھتا ہے؟</p>	<p style="text-align: center;">کیا میں اپنی زندگی میں موجود جزوقتی عبادت پر مطمئن ہوں؟</p>
<p style="text-align: center;">کیا واقعی میرے نزدیک کسی ووہی نعمتوں کے حصول میں تمام امیدوں کا واحد مرکز اللہ سبحان و تعالیٰ کی ذات ہے؟</p>	<p style="text-align: center;">کیا میں کسی نعمتوں کے حصول میں اپنے آپ کو دین کی مقرر کردہ حدود و قیود سے آزاد سمجھتا ہوں؟</p>
<p style="text-align: center;">احسن تقویہ (یعنی عابد و متوکل مومن) اور اسفل سافلین (یعنی مشرک و بے صبر کافر) کے پیمانہ پر</p>	
<p style="text-align: center;">میری موجودہ طرز زندگی کتنی "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کی گواہ ہے؟</p>	
<p style="text-align: center;">میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی</p>	

اسی مناسبت سے کرسکوں؟

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾

ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔⁵

یہ دعائیہ کلمات ہیں؛ اور ہر دعا پکارنے والے کا ایک قولی عمل ہی تو ہوتی ہے؛ جس کے باعث میرے نزدیک یہ عمل کی آیت ہے۔ ہدایت؛ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت اور یقیناً میری سب سے بڑی دنیاوی ضرورت۔ اور میں یہ بھی معرفت رکھتا ہوں کہ؛ یقیناً "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کے سوا کوئی "اللہ" نہیں جو اس نعمت کو عطا کرنے پر قادر ہو؛ اور یقیناً اس نعمت کا عطا کیا جانا خالصاً "الْكَرِيمِ الرَّحِيمِ" کا احسان عظیم ہوگا؛ میرا کوئی ذاتی استحقاق نہیں؛ اور یقیناً "عَالَمَاتٍ يَوْمَ الدِّينِ" اس نعمت کے عطا کرنے کے بعد اس کے استعمال کے متعلق میرا مواخذہ بھی فرمائے گا۔ اور میں اس بات کا بھی ادراک رکھتا ہوں کہ تادم مرگ اس نعمت کی عطامیں تسلسل کی بنیاد میرے عہد "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کی پاسداری پر ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا واقعی میں اس ہدایت کی نعمت کی طلب میں	کیا میں دین کو اپنی موجودہ طرز زندگی پر ترجیح دینے کا مضبوط باطنی ارادہ رکھتا ہوں؟
کیا میں اس ہدایت کے نتیجے میں ممکنہ آزمائشوں کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں؟	
احسن تقویہ (یعنی صادق مومن) اور اسفل سافلین (یعنی منافق کافر) کے پہچانہ پر	
میری موجودہ طرز زندگی کتنی عملی منافقت (یعنی قول و فعل میں تضاد) سے پاک ہے؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی	
اسی مناسبت سے کرسکوں؟	

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ خَيْرٌ مِّنْ الْمُضْطَوِّبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٦﴾

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا⁶ نہ کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ جو گمراہ ہوئے۔⁷

یہ دعائیہ کلمات اوپر والی دعا کا تکملہ اور اس ہدایت کے مندرجات ہیں؛ جس کے طلب کے لیے میں اللہ سے دن میں کم از کم سترہ بار قولی طور پر دعا گیر ہوتا ہوں۔ کسی بھی مطلوب کے حصول کے لیے لازم ہے کہ

انسان کا باطنی ارادہ مضبوط اور ظاہری اسباب کے حصول کی عملی کوشش میں کوشاں ہو۔ اور ظاہری اسباب میں اولین حیثیت دعا کی ہی ہے؛ اس کے بعد ہی اس مطلوب کے حصول کا علم اور پھر اس علم کے موافق عمل کی باری آتی ہے۔ تو ہدایت کی نعمت کے حصول کے لیے؛ میراجتنا باطنی ارادہ مضبوط ہوگا؛ اتنا ہی میں اپنی دعا میں مخلص؛ علم کے حصول میں صادق؛ اور میرا عمل حاصل کردہ علم کے تابع اور نفاق سے پاک ہوگا۔

مطلوب دینی ہو دنیاوی اس کے حصول کے تین ہی ممکنہ راستے ہیں؛ اول حق پر مبنی؛ دوم ظلم پر مبنی اور سوم جہالت پر مبنی۔ جب قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم اور عمل میں ہم آہنگی ہو تو یہ راستہ حق پر مبنی ہو تا ہے اور اگر قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم یا عمل میں اراد تناجج راہی ہو تو یہ راستہ ظلم پر مبنی ہو تا ہے مگر اگر قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم یا عمل میں بے علمی کے باعث کج راہی ہو تو یہ راستہ جہالت پر مبنی ہو تا ہے۔ جاہل گمراہ (الضَّالِّينَ) کی نسبت ظالم گمراہ (الْمُضْطَّوِبِ عَلَيْهِمْ) پر شدید عتاب اس لیے زیادہ برحق ہے کہ ظالم کی اللہ تعالیٰ سے بغاوت اختیاری سرکش ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں کسی بھی دینی و دنیاوی عمل سے پہلے اپنی جہالت کے سدباب کی کوشش کرتا ہوں؟	کیا میں انعام یافتہ لوگوں میں شمولیت کے لیے مطلوبہ علم (خصوصاً فکری مشابہت) کے حصول کی سعی میں مشغول ہوں؟
کیا میرے حاصل کردہ علم اور عمل میں موافقت ہے یا میرا شمار ظالموں میں ہو سکتا ہے؟	کیا میں عصر حاضر میں دینی اعتبار سے انعام یافتہ لوگوں؛ ظالموں اور جاہل گمراہوں کی پہچان کی صلاحیت رکھتا ہوں؟
کیا میں دین کی خاطر عصر حاضر میں ظلم یا جہالت سے انعام یافتہ لوگوں کی پیروی کی عملی نیت رکھتا ہوں؟	کیا میں دنیا کی خاطر عصر حاضر میں ظلم یا جہالت کی بنیاد پر قائم حکومتوں اور معاشروں کا مطیع رہنے پر مطمئن ہوں؟
احسن تقویہ (یعنی ہدایت یافتہ مومن) اور اسفل سافلین (یعنی ضال و مضل کافر) کے پہچانہ پر	
میں کتنا ظالموں اور جاہل گمراہوں سے دلی انس اور ان کی قولی و عملی مشابہت سے آزاد ہوں؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے اذکار، اقوال اور اعمال کو اس محاسبہ کی روشنی میں سورۃ الفاتحہ کے میزان سے حقیقی مشابہت نصیب ہو جائے؛ کیونکہ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر یہ مشابہت نصیب ہو گئی تو یہ سورۃ اپنی برکت سے نہ صرف باقی قرآن پر تدریجاً اور عمل کو میرے لیے آسان فرمادے گی بلکہ وہ حفاظتی حصار بھی مہیا کر دے گی جو میری دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

قرآن سے محاسبہ کی صورت میں استفادہ کے دوران؛ شیطان؛ مجھے عمومی طور پر دو شیطانی وسوسوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے؛

- کیا میرے لیے عصر حاضر میں؛ اپنے عائلی؛ معاشرتی؛ ملکی اور عالمی دباؤ کے ماتحت؛ قرآن کے مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن ہے؟۔
- اور میں جانتا ہوں کہ "لَا يَكْتَلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا [سورۃ البقرہ؛ ۲۸۹] خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا" تو اگر میں ان مطلوبہ نتائج کے عملی حصول کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر کیا کروں؟۔

ان دونوں وسوسوں سے نبرد آزما ہونے کا تعلق میرے ارادہ کی مضبوطی اور دعائیں اخلاص کے ساتھ ہے؛ کیونکہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے امکانات کو؛ بغیر کسی عملی کوشش کے؛ ناپانے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے؛ خصوصاً جبکہ "احسن تقویہ" والے گروہ سے فکری؛ قوی اور عملی مشابہت کا علم ہر دور میں موجود بھی ہو اور اس کا حاصل کرنا عین ممکن بھی ہو؛ یہ علم کے حصول کی کوشش ہی میرے عمل کا پہلا جزو ہے۔

عمل کے دوسرے جزو کا اطلاق؛ اس حاصل کردہ علم پر عمل سے ہے؛ اور اس جزو میں کم از کم انفرادی سطح پر اللہ کی معصیت اور اس کے احکامات کی تکمیل میں اختیاری کوتاہیوں سے اپنی حفاظت نہ کر سکنے کے بارے میں تو یہ وسوسا محض میری نفس پرستی کا نتیجہ ہیں؛ اور باہمی اور اجتماعی سطح پر عمل میں میری کوتاہیاں گو "لَا يَكْتَلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا" کے تابع تو ہیں؛ مگر حقیقی حالت اکراہ میں بھی؛ اس سطح پر میرے حاصل کردہ علم کو؛ میرے نفس کو؛ ان جبری کوتاہیوں کے مزین کرنے اور ان سے بلا ضرورت مستفید ہونے کی جسارت پر روکنے والا ہونے کے ساتھ؛ مجھے آخرت کی جو ابدی سے مزید خوفزدہ اور حالات میں بہتری کی جستجو میں کوشاں رکھنے والا ہونا چاہیے۔

شاید یہ فکر آخرت اور "اسفل سافلین" کے قول اور عمل سے فکری کراہت ہی
میزان پر میری ان کوتاہیوں کے وزن میں کچھ کمی کا باعث بن سکے۔

اللَّهُمَّ اِنْسٍ وَحَشِيٍّ فِي قَابْرِى الْاَلْهَمَّ اِزْحَمِي بِالْقَضَائِبِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِاِمَامَا وَنُوْرًا وَهُدًى وَ
رَحْمَةً الْاَلْهَمَّ ذَكِّرْنِي مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَ عَلِّمْنِي مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَ اِزْرُقْنِي تِلْكَ الوَاثِقَةَ اِنَاءَ اللَّيْلِ وَ اِنَاءَ النَّهَارِ وَ
اجْعَلْهُ لِي حُجَّةً يَّوْمَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ اٰمِيْنَ

لا اله الا الله؛ لا اله الا الله؛ لا اله الا الله محمد رسول الله

اللهم صل على سيدنا محمد و على آله و صحابه و بارك و سلم تسليماً كثيراً كثيراً

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**